

مفاہمتی بیانیہ؟

مسلم لیگ ن میں ایک اندرونی تفریق نظر آرہی ہے۔ سنجیدہ ترین سوال یہ ہے کہ کیا بیانیہ کا واضح فرق خود ساختہ یا قدرتی ہے۔ یا اسے بھی سیاسی مصلحت کے تحت ترتیب سے تشکیل کیا گیا ہے۔ کمال بات یہ بھی ہے کہ مزاحمتی اور مفاہمتی پالیسی کے حق اور مخالفت میں بھی بحث جاری ہے۔ ن لیگ کے اکثر لوگ دونوں طرف کھیل رہے ہیں۔ بلکہ تین طرف۔ اسلیے کہ طاقتور حلقوں سے ذاتی رابطہ رکھے ہوئے ہیں۔ وہاں سے اپنی پالیسی کو کشید کرنے میں مصروف ہیں۔ اگر معاملہ سادہ سا ہو، تو واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر آنے والے دنوں میں یہ ایک سیاسی پیچیدگی کو جنم دے سکتا ہے۔ دانشور، لکھاری اور میڈیا بھی اس کھیل میں اپنی اپنی بساط کے حساب سے شامل ہے۔ جس فریق کا مالی مفاد، جس جانب سے پورا ہوتا ہے، اپنا پڑاؤ وہاں ڈال چکا ہے۔ لیکن حقائق اس درجہ تبدیل ہو چکے ہیں کہ اندرون خانہ معاملات کی بھنک بھی باہر نہیں پڑ رہی اور یہ بے خبری کی حالت میں غلط تجزیہ کا موجب بن سکتی ہے۔ مسلم لیگ ن میں اصل طاقت کون ہے۔ ووٹ کس کے نام پر ملتے ہیں۔ اگلے الیکشن میں ووٹ کس شخصیت کی جیب میں ہونگے۔ یہ مکمل طور پر واضح ہے۔ نواز شریف وہ واحد شخص ہے جس کا سیاسی فیصلہ پنجاب کی حد تک بہت زیادہ اہم ہے اور رہیگا۔ اس میں بھی ایک جوہری تبدیلی آچکی ہے۔ ن لیگ میں سیاسی وراثت کا مسئلہ مکمل طور پر حل ہو چکا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے۔ مریم نواز اس وقت ن لیگ کے ووٹروں کے ذہن پر بھرپور طریقے سے اثر انداز ہو چکی ہیں۔ غلط یاد رست کی بحث میں پڑے بغیر، تمام فہمیدہ حلقے جانتے ہیں کہ اس جماعت سے واسطہ ووٹ نواز شریف کے ذریعے انکی صاحبزادی تک پہنچ چکے ہیں۔ جھلک ہر شخص گزشتہ ایک ڈیڑھ برس میں جلسوں، ریلیوں اور ضمنی انتخابات کے نتائج کی صورت میں دیکھ چکا ہے۔ اب جوہری مسئلہ ہی یہ ہے۔ نواز شریف کے قریبی ساتھی، جیسے پرویز راشد، شاہد خاقان عباسی ذہنی اور فکری طور پر نواز شریف کے قرب میں ہیں۔ جو بھی بیان ان حضرات کی طرف سے دیا جاتا ہے، لندن سے پاس ہو کر یہاں پہنچتا ہے۔ فی الحال ایسی کوئی صورت نظر نہیں آرہی، جس میں مریم نواز کی سیاسی اہمیت کو کم کیا جاسکے۔

سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ پھر برادر خورد، یعنی شہباز شریف کیا کر رہے ہیں اور انکے عزائم کیا ہیں۔ اس کا جواب حد درجہ آسان ہے۔ چھوٹے میاں صاحب کا واحد تعارف یہ ہے کہ وہ میاں نواز شریف کے چھوٹے بھائی ہیں۔ بڑے بھائی جب اقتدار میں آتے ہیں تو یہ اپنی خاندانی نسبت کی وجہ سے خود بخود دوزیر اعلیٰ پنجاب بن جاتے ہیں۔ انکا میرٹ صرف یہ ہے کہ شریف خاندان کے چھوٹے سرخیل ہیں۔ یہاں سے مسائل کا ایک انبار جنم لیتا ہے۔ جس پر قطعاً بحث نہیں ہوتی۔ کیا شہباز شریف کا پنجاب میں کسی قسم کا ووٹ بنک ہے۔ کم یا زیادہ کی بحث نہیں ہے۔ جواب بالکل صاف ہے۔ پنجاب میں چھوٹے میاں صاحب کا حد درجہ معمولی سطح کا ووٹ ہوگا۔ لکھا تو یہ بھی جاسکتا ہے کہ انکی ذاتی شخصیت کا کسی قسم کا کوئی ووٹ نہیں ہے۔ مگر یہ لکھنا مناسب نہیں سمجھتا۔ اسکی کیا وجوہات ہیں۔ ان پر بات ہونی ضروری ہے۔ جب بھی شہباز شریف وزیر اعلیٰ بنائے جاتے ہیں، تو انکا رویہ ہی انکا سب سے بڑا دشمن ہے۔ وہ سرکاری افسروں سے لیکر سیاسی رفقاء سے اکثر منفی رویہ رکھتے ہیں۔ جس کا متحمل کوئی بھی حکمران نہیں ہو سکتا۔ سب برداشت صرف ایک وجہ سے کرتے ہیں کہ

نواز شریف کے ہوتے ہوئے، انکو وزارتِ اعلیٰ کے منصب سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ واحد مجبوری ہے جسکی بدولت شہباز شریف کا بیچانی رویہ برداشت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اس نکتہ کا چھوٹے میاں صاحب کو بھرپور ادراک ہے۔ لہذا وہ اس پیچ پر خوب چوکے چھکے لگاتے ہیں۔ انکے ارد گرد کام کرنے والا ہر سرکاری اور غیر سرکاری ملازم انکے مشکل مزاج سے بخوبی واقف ہے۔ سیاسی دوست بھی برداشت کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ اسکا کوئی حل نہیں ہے۔ آپکے سامنے چند واقعات ثبوت کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ، اسکا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ سر عام، ایک فرہ ماں سیکرٹری صاحب کے متعلق عوامی مجلس میں فرمانے لگے کہ وہ Humty Dumpty کدھر ہے۔ اسی طرح ایک دن، نوے شاہراہ قائد اعظم کے کنٹرولر پر بے حد غصہ ہوئے۔ فرمایا کل کی سرکاری دعوت میں جو کباب پیش کیے گئے، وہ حد درجہ ناقص تھے۔ مسکین سرکاری ملازم یہ کہنے کی جرات نہ کر پایا کہ حضور، جناب، کل کی ضیافت میں تو کباب تھے ہی نہیں تو وہ ادنیٰ کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس طرح کے درجنوں نہیں، سینکڑوں واقعات ہیں جس سے چھوٹے میاں صاحب کا عجیب و غریب طرزِ عمل ظاہر ہوتا ہے۔ سرکاری ملازم تو برداشت کرنے پر مجبور ہے۔ مگر پنجاب کے ن لیگی وزراء اور ایم پی اے بھی اسی طرزِ عمل کا شکار رہے ہیں۔ اول تو وہ، مشاورت کے عمل کو حقیر جانتے ہیں۔ چھوٹے میاں صاحب، کابینہ مینٹنگز بلاتے ہی نہیں تھے۔ سال میں رسمی طور پر شائد ایک دو بار، وہ بھی اس طرز کی، کہ انکا سٹاف چیدہ چیدہ وزیروں کو بتا دیتا تھا کہ آپ نے اجلاس میں یہ جواب دینا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوتا تھا۔ جیسے ہی کابینہ کے اجلاس میں وہ نکتہ سامنے آتا تھا، تو وزراء رٹے رٹائے جواب دینا شروع ہو جاتے تھے۔ اس طرح ”بہترین“ فیصلہ ہو جاتا تھا۔ کابینہ کو رہنے دیجئے۔ صوبائی اسمبلی کا ریکارڈ چیک کر لیجئے کہ بطور وزیر اعلیٰ، موصوف کتنی بار وہاں تشریف لے گئے ہیں۔ سال میں شائد ایک آدھی بار یا اس سے بھی کم۔ دراصل چھوٹے میاں صاحب نے ہمیشہ غیر جمہوری رویے سے سیاست کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسکا ادراک تمام فریقین کو ہے۔ مگر عرض کر چکا ہوں کہ کوئی بھی سچی بات کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

قصداً انکے مالی معاملات کی طرف نہیں آ رہا۔ ورنہ ہر ایک کو معلوم تھا کہ کلیدی عہدوں پر ٹرانسفر پوسٹنگ کا کیا دام تھا اور کون سا محترم شخص، بڑی خوش اصولی سے یہ سرانجام دیتا تھا۔ مگر اس پر بات کرنا عبث ہے کیونکہ آج بھی وہ معاملہ ہے۔ کسی عہدے پر پوسٹنگ کیلئے اہلیت صرف اور صرف وہ ”سپیڈ منی“ ہے جو پہلے وصول کر لی جاتی ہے۔ یقین فرمائیے۔ یہ لکھتے ہوئے دکھ ہوتا ہے۔ مگر پیسے کی وصولی کے معاملات میں سابقہ اور موجودہ حکومت میں رتی برابر بھی فرق نہیں۔ ہاں، شائد ناموں کا فرق ضرور ہو۔ وزیر اعظم عمران خان کو سب کچھ بار بار بتایا جاتا ہے، مگر وہ تو ہم پرستی کے اس بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں کہ سنجیدہ معاملات کو میرٹ کی بنیاد پر حل کرنے کی استطاعت کافی حد تک کھو چکے ہیں۔ اس کمزوری کا فائدہ، مالی منفعت کی صورت میں ہر سطح پر بھرپور طریقے سے اٹھایا جا رہا ہے۔ خیر اصل زیر بحث نکتہ چھوٹے میاں صاحب کا مفاہمتی رویہ کی داغ بیل ڈالنا ہے۔ یہ بتانے، بولنے اور بحث کی حد تک تو دلکش نظر آتا ہے۔ مگر اسکو دلیل کی چھلنی سے گزارنے پر حد درجہ مشکلات سامنے آتی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ کیا طاقتور حلقے نہیں جانتے کہ اصل سیاسی طاقت کون ہے۔ بڑا بھائی یا برادر خورد۔ لازم ہے کہ معاملات تو طاقتور فریق کے ساتھ طے ہوتے ہیں۔ کمزور کے ساتھ نہیں۔ زیادہ سے زیادہ ”مڈل مین“ کا رول رہ جاتا ہے۔ اس پر بھی تمام فریقین اعتماد کرنے کو تیار نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ چھوٹے میاں صاحب کا ”مسٹر کلین“ کا تشخص ان پر قائم

نیب کیسوں کی وجہ سے حد درجہ خراب ہوا ہے۔ سات سو کروڑ کی رقم کی موجودگی کا کوئی تسلی بخش جواب کسی کے سامنے نہیں آیا۔ چھوٹے میاں صاحب کھل کر اتنی بڑی رقم کی نفی نہیں کر سکے۔ تیسری بات یہ بھی ہے کہ انکا تقریباً پورا خاندان اس وقت ملک سے باہر ہے۔ ان پر الزامات کی بھرمار ہے۔ مگر ان میں سے ایک بھی پاکستان آ کر عدالت کا سامنا کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اس بات کا جواب بھی چھوٹے میاں صاحب دینا پسند نہیں کرتے کہ کیا وجہ ہے کہ کوئی ایک فرد بھی اپنے وطن واپس نہیں آنا چاہتا۔ فطری بات ہے کہ ذہن میں یہ تاثر اُبھرتا ہے کہ ان پر لگے ہوئے الزامات کا انکے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس فطری تاثر کو ختم کرنے کیلئے کوئی بھی معقول جواب نہیں دیا جاتا۔ چوتھی بات یہ بھی ہے کہ فوجداری کیسوں میں انکے چند چہیتے وعدہ معاف گواہ بن چکے ہیں۔ وہ جو انکشاف کرتے ہیں، اسکا جواب بھی کبھی نہیں دیا جاتا۔ بہت زیادہ نکات ہیں جن پر شہباز شریف کسی صورت غیر متعصب لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ بڑے میاں صاحب، لازم ہے کہ شہباز شریف سے کچھ نہیں پوچھتے۔ وہ تمام حقائق کو جانتے ہیں۔ لیکن خاموش رہتے ہیں۔ اور یہی خاموشی کافی حد تک مریم نواز نے بھی اپنائی ہوئی ہے۔

مفاہمتی بیانیہ پر تان لگانے والے اکثر اصحاب کھل کر حقائق پر روشنی نہیں ڈالتے۔ وہ صرف ایک ایسی تصویر پیش کرتے ہیں، جسکے زیرِ تخت چھوٹے میاں صاحب، اپنے ذاتی رویے سے بندتالوں کو جادوئی طریقے سے کھول لینگے۔ شہباز صاحب، بس طاقتور حلقوں سے چھپ کر مذاکرات فرمائینگے اور برف پگھل جائیگی۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ ریاستی حلقے ماضی سے بہت سبق سیکھ چکے ہیں۔ انہیں بخوبی معلوم ہے کہ فیصلہ کن بیانیہ صرف اور صرف بڑے بھائی کا ہے اور وہ ان سے بالواسطہ طور پر رابطے میں بھی ہیں۔ اگر طاقتور حلقوں کے ذریعے بات چیت کرنی ہے، تو بڑے میاں صاحب کے بین الاقوامی تعلقات حد درجہ ذاتی اور بہترین ہیں۔ وہ آج بھی تسلسل سے اپنے قریبی دوستوں اور غیر ملکی طاقتوں کی بدولت نہ صرف محفوظ ہیں بلکہ سنجیدہ طبقوں سے رابطوں میں بھی ہیں۔ آنے والے وقت میں اس امر کا قوی امکان ہے کہ انکی اور مریم نواز کی سزاؤں کو ختم کیا جائیگا۔ اس چیز کا امکان بھی ہے کہ سیاسی سرگرمیوں پر عائد پابندیوں کو بھی یکسر نرم کر دیا جائیگا۔ انکی وطن واپسی کے معاملے پر بھی ریاستی ہمدردی کا مظاہرہ ہو سکتا ہے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چھوٹے میاں صاحب کے مفاہمتی بیانیے سے انہیں اور انکے ذاتی خاندان کو تو شاید کچھ فائدہ ہو جائے۔ مگر ملکی سیاست کی کنجی اس وقت بھی بڑے میاں صاحب کے پاس ہے۔ اور وہ اپنے سیاسی کارڈ چھاتی سے لگا کر کھیل رہے ہیں۔ ملک میں پنجاب سے لیکر وفاقی حکومت تک کی ادنیٰ گورننس بھرپور طور پر نواز شریف کی سیاسی ساکھ میں اضافہ کر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پنجاب میں انتہائی غیر فعال حکومت کو گرانہ نہیں چاہتے۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے وقت میں انکی اہمیت پہلے سے بھی حد درجہ بڑھ جائے۔ مفاہمتی بیانیہ کا راگ الاپنے والے، شاندار نازک معاملات کو بھرپور طریقے سے بیان نہیں کر رہے۔ شاندار انکے اپنے اپنے مفادات ہوں۔ ویسے سیاست ہے ہی، ذاتی مفادات کا نام! آج تک تو یہی صورتحال ہے! باقی غیب کا علم تو صرف خدا کے پاس ہے۔

